دیوانِ ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان



دیوان مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان

مُرتب
تنویر احمد

علی ہجویری پبلشرز کمرہ نمبر 1۔ منیر مارکیٹ
اُردو بازار ○ لاہور

ناشر	------------	تنویر احمد
تعداد	------------	500
پرنٹرز	------------	گنج شکر پرنٹرز
قیمت	------------	160 روپے

میرا گناہ

مرا گناہ یہی ہے کہ مجھ کو ہے اصرار
شہید گنج کی مسجد کی بازیابی پر

کسی سے جرم یہ سرزد اگر ہو مستی میں
تو حدِ شرع نہ جاری ہو کیوں شرابی پر

مری نظر میں ہیں مسجد کے منبر و محراب
جمی ہوئی نظر احرار کی ہے "لابی"[۱] پر

ہے اس زمانہ میں اچھا اگر کوئی مذہب
تو ہو وہی جسے قرباں کریں رکابی پر

علیؓ کے بازوئے خیبر شکن کی مجھ کو قسم
کہ ناز مجھ کو بھی ہے اپنی بوترابی پر

قریب ہے کہ قیامت بپا ہو دنیا میں
خدائے پاک کی تعمیر کی خرابی پر

ہے لکھنؤ کو بھی آج اتفاق دہلی سے
مرے کلامِ مرصع کی لاجوابی پر

۲۱ جون ۱۹۳۶ء

۱؎ مجلس وضع آئین و قوانین کی غلام گردش

اسلام کی رُسوائی احرار کے ہاتھوں

ہندوؤں سے ہے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائیِ اسلام کا احرار سے ہے

حرفِ پنجاب میں ناموسِ نبیؐ پر آیا
قائم اس ظلم کی بُنیاد ان اشرار سے ہے

پانچ لکّھوں کا ہے پابند شریعت کا امیر
اُس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے ہے

آج قرآن کو کہتے ہیں وہ "نطفہ" اپنا
سلسلہ جن کا ملا سیّدِ ابرار سے ہے

آج قرآن کی توہین وُہی کرتے ہیں
واقفیت جنہیں قرآں کے سب اسرار سے ہے

آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
تو یہ سب ذِلّت اسی طبقۂ غدار سے ہے

کیا قیامت ہے کہ اللہ کا گھر ہو ویراں
جس کی رونق کی نمود احمدِ مختار سے ہے

ہے یہ سب مسجدِ مظلوم کی فریاد کا فیض
جس قدر درد ٹپکتا مرے اشعار سے ہے

۷ جولائی ۱۹۳۶ء

کنجاہ

مجلس مرکزیہ احرار ہند نے جو تحریک شہید گنج کو فنا کرنے کی غرض سے مجھ پر اور میرے رفقا پر نت نئی تہمتیں لگانے کے فن میں یدطولیٰ رکھتی ہے اور اُسے اپنی شریعت مطہرہ کا مقدس ترین فرض سمجھتی ہے اپنے ایک رکن سراج الدین المتخلص بہ سراج کنجاہی سے یہ تاریخی الزام تراشوایا تھا کہ ظفر علی خاں جس کے پیٹ میں رہ رہ کر شہید گنج کی بربادی کا مروڑ اُٹھتا ہے دینِ مبین کا درحقیقت سب سے بڑا دشمن واقع ہوا ہے کیونکہ اس ظالم نے اپنے گاؤں کرم آباد کی مسجد ڈھا کر اُس کے ملبہ سے اپنی کوٹھی تعمیر کر لی۔ اس الزام کا جو حشر مسلمانوں کی قومی عدالت میں ہُوا وہ عالم آشکارا ہے۔ ایک اسلامی کمیشن نے کرم آباد پہنچ کر اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھ کر اور شہادتیں لے کر فیصلہ کیا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ مَیں اُن دنوں رنگون میں تھا اور مجھے اس فیصلہ کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی جس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ

کرم آباد کی مسجد سے ندا آتی ہے
ہو گیا مجلسِ احرار کے ارمان کا خون

رنگون سے واپس آنے پر مجھے مسلمانانِ کنجاہ کی طرف سے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی اور مَیں مجلس اتحادِ ملت کے چیدہ چیدہ ارکان کے ساتھ ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو کنجاہ پہنچا۔ بڑا لطف یہ ہُوا

کہ مجھے اور میرے رفقا کو دعوت طعام جن بزرگ نے دی وہ خود سراج گنجاہی تھے جو کرم آباد والے واقعہ سے متاثر ہو کر احرار سے اپنا تعلق قطع کر چکے ہیں کھانے کے بعد صاحب دعوت نوجوانوں کی طرف سے فرمائش ہوئی کہ گنجاہ پر جسے غنیمت کی شاعری نے زندہ جاوید کر دیا ہے کچھ اشعار ہونے چاہئیں۔
چنانچہ بیٹھے بیٹھے چند اشعار موزوں ہو گئے جو نذر ناظرین ہیں:-

یہ حسن و عشق کا گھر ہے اسے گنجاہ کہتے ہیں
مرے ہر جرم کا آکر یہاں کفارہ ہوتا ہی

زہے قسمت بچا لے جاؤں گر میں آبرو اپنی
کہ ہے جو آبرو والا یہاں آوارہ ہوتا ہی

غنیمت کی لحد ہی اب بھی سوز و ساز کی محفل
کہ اس کی خاک کا ہر ذرہ آتشپارہ ہوتا ہی

مرا بھی ایک شاہد ہی علی گڑھ نام ہی جس کا
مرا دل اس کی چشم مست کا گہوارہ ہوتا ہی

کہا گنجاہ کی کڑوی چلم نے باتوں باتوں میں
کہ تمباکو یہاں کا عقرب جرارہ ہوتا ہی

مسلماں بھی خدا رکھتا ہی پھر یہ ماجرا کیا ہی
ہدف سارے مصائب کا یہی بیچارہ ہوتا ہی

ابد تک جو بجے گا طبل ہی وہ ہم غریبوں کا
جو پھٹ جاتا ہی وہ احرار کا نقارہ ہوتا ہی

جو ہیں گردوں کے سیارے وہ اب گرنے ہی والے ہیں
بلند اسلام کا پنجاب میں طیارہ ہوتا ہی

کہاں تک شعر کہتا جاؤں آخر کوئی حد بھی ہو
کہ جلوے میں مزا ہوتا ہی اور یکبارہ ہوتا ہی

گنجاہ - ۲۲ - اکتوبر ۱۹۳۶ء

سیاسیات کا دنگل

دفترِ پنجاب ہے جنگل سیاسیات کا
بن گیا میرا قلم منگل سیاسیات کا

پہلوان اور اُن کے پٹھے آ گئے خم ٹھونک کے
دیدنی ہے آج کل دنگل سیاسیات کا

گالیاں دے جھوٹ بول احرار کی ٹولی میں چل
نکتہ یوں ہی ہو سکے گا حل سیاسیات کا

پہلے ہی دن سے ہیں جب دیدے بخاری کے پٹم
مانگتے پھرتے ہیں کیوں کاجل سیاسیات کا

خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر
کیوں نہ کہئے اِس کو "باٹل" سیاسیات کا

کیا تماشا ہو کہ زلفِ شرع کی مشاطگی
کر رہا ہے آج دستِ شل سیاسیات کا

ہے بہت آسان کھانا سینہ پر گیتی کی ضرب
ہے بہت مشکل چلانا ہل سیاسیات کا

دیکھ لے مظہر علی اظہر کو افضل حق کے ساتھ
ایک پدّی دوسرا اچھاپل سیاسیات کا

مجلسِ احرار کے نیفے کی رونق بن گیا
ایک پسّو دوسرا کھٹمل سیاسیات کا

دخل معقولات میں دیتا ہے کیوں "بڈّھ مولوی"
عقدہ کیا کھولے گا یہ ڈھیل سیاسیات کا

ڈاکٹر کچلو زبر ہیں اور حسام الدین ہیں نہ بر   یہ دمن اس عہد کی وہ نل سیاسیات کا
جل گئے مکہ میں بھٹے مولوی داؤد کے   حد سے بڑھ کر گرم تھا بھوبل سیاسیات کا
"انڈیپنڈنٹ" آخر ہی جائے گا یاروں کے کام   ہمد مو گھوڑا ہے یہ کوتل سیاسیات کا
عورتوں نے بھی کیا کونسل کا رُخ مردوں کی طرح
آئی ہیں تھامے ہوئے آنچل سیاسیات کا

لاہور

۱۶۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

بُت خانۂ احرار

احرار کے بُت خانہ سے مَنظر کو بُلا لا
منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوالا

مرزائیوں کے حق میں قیامت ہی بٹالہ
کافر کا جنازہ اسی بستی نے نکالا

ہر بچّہ بٹالہ کا ہے اک مردِ مجاہد
جو سُوئی یہاں کی ہی وہ بن جاتی ہی بھالا

ملتی ہیں بچارے کو شکستوں پہ شکستیں
اسلام سے پڑتا ہے جہاں کفر کو پالا

لالہ سے یہ کہہ دو کہ مسلماں سے نہ اُلجھے
معبود مسلماں کا ہے اللہ تعالیٰ

اسلام کی دولت کے کرشموں پہ نظر کر
آتے ہی اچھوتوں کا ہُوا رُتبہ دوبالا

سرکارِ مدینہؐ سے ملا مجھ کو بھی کمبل
سکھوں نے بخاری کو جو بخشا ہی دوشالا

زندہ رہے پائندہ رہے نور محمد
اسلام کا نام اُس نے بٹالہ میں اُچھالا

بٹالہ ۔ ۲۰ ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

احراریات

صدرِ مجلسِ احرار:-

دو غم ہیں جہاں میں غمِ دُزد و غمِ کالا — دونوں کا جنازہ مری غربت نے نکالا
خواہش ہے یہ لالہ کی جپوں لالہ کی مالا — مالا کا ہر اک دانہ ہو پھر لولوءِ لالا
مَیں صدر ہوں احرار کا ممدوح مرا ہے — اک پیسہ بھی جس نے مرے کشکول میں ڈالا

جنرلِ سکرٹری مجلسِ احرار:-

کونسل کی الکشن کی بلا ہو گئی نازل — ٹوٹا ہے مرے سر پہ مصیبت کا ہمالا
وہ پانسو مندر مری فہرست میں درج — اسلامیوں نے جن سے ہر اک بُت کو نکالا
گھنٹہ نہیں بجتا ہے مہادیو کا اُن میں — اُن سب میں ہمیشہ کے لئے پڑ گیا "تالا"

امیرِ شریعت احرار:-

اک طفل پری رو کی شریعت شکنی نے — کل رات نکالا مرے تقوے کا دوالا
مَیں دین کا پُتلا ہوں وہ دُنیا کی ہے مورت — اُس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالا

لاہور - ۲۶ - دسمبر ۱۹۳۶ء

احرار کی ٹولی

پنجاب اسمبلی کی رکنیت کے لئے حلقۂ گڑھ شنکر کی طرف سے دو امیدوار تھے۔ چودھری افضل حق رکن رکین مجلس احرار اور رانا نصر اللہ خاں ہریانوی بی۔ اے جن کی پشت پر مجلس اتحاد ملت کی تائید تھی۔ چودھری افضل حق کو اپنے حریف کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی جس کی تصویر اشعار ذیل میں کھینچی گئی:۔

جاء نصر اللہ کی ہریانہ سے آئی صدا
رنگ افضل حق کا سنتے ہی جیسے فق ہو گیا

گر پڑے غش کھا کے مولانا عطاء اللہ شاہ
اور کلیجہ مولوی داؤد کا شق ہو گیا

راہ چلتے چلتے گڑھ شنکر کی ٹم ٹم رک گئی
جو چلاتا تھا اسے لنگڑا وہ ابلق ہو گیا

مولوی مظہر علی اظہر کی رسوائی کا داغ
اُن کی مجلس کے سیہ خانے کی رونق ہو گیا

اُس طرف مندر کا شور اور اس طرف مسجد کا زور
بیچ میں مظہر علی اظہر معلّق ہو گیا

پوچھتے ہیں سر سکندر مجلسِ احرار سے — کیوں وزارت کا تمنائی یہ احمق ہو گیا
ذاکرِ احرار کا مشہور ناقوسی "سلام" — مالوی جی کے صنم خانہ کی رونق ہو گیا
کون دے گا ووٹ بیچارے حسام الدین کو — کچلو امرت سر میں جب مختارِ مطلق ہو گیا
مِل گئے کیا سوچ کر احرار سے مُلّا غوث — سارسوں میں کس لئے شامل لقلق ہو گیا
صدرِ احرار آ گئے لے کر لفنگوں کے پرے — لشکرِ اشرار سے جنگ آزما حق ہو گیا

شاعری میں بدلہ سنجی ہی مرا اندازِ خاص
زندہ میرے نام سے نامِ فرزدق ہو گیا

لاہور ۔ ۲۷ ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

لبرل اندر سبھا

لبرل جو دکھاتے چلے آئے ہیں ازل سے — بازارِ تملّق میں تماشا گزری کا
کرتے ہیں یہ دعویٰ کہ موالات ہی ماحول — حکمت کی جہات عملی و نظری کا
آزادیٔ کامل نہ کبھی ہو گی میسّر — گر ہم کو سلیقہ نہیں دریوزہ گری کا
میعادِ غلامی کے بڑھانے کے سوا کیا — انجام ہے احرار کی شوریدہ سری کا
انگریز کی دہلیز پہ رکھ دیتے اگر سر — آتا انہیں اس میں بھی مزہ تاجوری کا
برطانیہ گلفام ہے اور سبز پری ہند — گلفام سے کیوں عقد نہ ہو سبز پری کا

سر تیج بہادر یہی فرماتے ہیں ارشاد
اور صاد ہے اس فلسفہ پہ شاستری کا

۱۴ جنوری ۱۹۳۷ء

ملک برکت علی

اور

مجلسِ احرار

اگر سرکار مرشد تھی تو احراری ولی نکلے
اور اُن کی گوشمالی کو ملک برکت علی نکلے

الکشن سر پہ آیا، کامیابی اس کو کہتے ہیں
کہ ہر تقریر آزادی کے سانچے میں ڈھلی نکلے

دُعائیں مانگتی ہے رات دن احرار کی ٹولی
کہ جس کوچے سے ہم نکلیں تفنگوں کی گلی نکلے

سُنا دے جا کے انگریزوں کو سچی بات کونسل میں
خدایا ہم میں بھی ٹولی اک ایسی منچلی نکلے

۱۹ جنوری ۱۹۳۷ء

ٹین فروش اور دین فروش

مولانا مظہر علی آظہر

ہم ہیں احرار نہیں ہم سے اُلجھنا اچھا
تیری اوقات ہی کیا ہے ابے او ٹین فروش

کامریڈ محمد حسین ٹین ساز

مَیں نے مسجد نہیں بیچی کبھی تیری مانند
ابے او چندہ کے بھوکے ابے او دین فروش

۲۶۔ جنوری ۱۹۳۷ء

گجرات کی انتخابی جنگ

آرائش اسلام ہیں گجرات کے قصاب
ان پر ہے جسے ناز وہ ہے خطۂ پنجاب

مر مٹتے ہیں یہ نامِ رسولِ عربی پر
اس نام کی توہین کی لاتے یہ نہیں تاب

گجرات میں کچھ اور بھی ہیں مردِ مجاہد
ہیں بے عدد اس شہر میں اللہ کے احزاب

دیتے ہیں مساجد پہ جو بتخانہ کو ترجیح
میں ان کو سکھاؤں گا شریعت کے آداب

احرار کو چندہ کے سوا کچھ بھی نہ سوجھا
بلی کو نظر آئے فقط چھیچھڑوں کے خواب

ربانی و یعقوب کے جوڑے کی تڑپ دیکھ
وہ برق کی تصویر ہے یہ پیکرِ سیماب

گجرات کی رونق ہیں حبیب اور کرامت
اسلام کے دریا کے یہ دو موتی ہیں نایاب

شورش سے مرا رشتہ ہی اور وہ ازلی ہے
میں وقت کا رستم ہوں وہ ہی ثانی سہراب

سن لو گے کہ گجرات میں عالم کی ہوئی فتح
اس فتحِ مبیں کا ہے یہی شہر نیا باب

دریا مرے رستہ میں نہ ہوں گے کبھی حائل
مجھ کو جو گزرنا ہو تو پایاب ہو چناب

گجرات۔ ۹۔ فروری ۱۹۳۶ء

مولانا ابوالکلام آزاد

اور

آل انڈیا مسلم لیگ

مولانا ابوالکلام آزاد نے حلقہ بجنور کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام حافظ محمد ابراہیم کی حمایت میں شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم لیگ والے سب کے سب اربابِ غرض اور رجعت پسند ہیں لہٰذا ووٹ مولوی عبدالسمیع کی بجائے جنہیں کونسل کی رکنیت کے لئے مسلم لیگ نے نامزد کیا ہے کانگرسی امیدوار حافظ ابراہیم کو ملنے چاہئیں۔ اس مضمون کا ایک اشتہار قصبہ کرتپور کی دیواروں پر چسپاں دیکھ کر اشعار ذیل سپرد قلم کئے گئے :-

بوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں دل جلے
آج کل تم پیشوائے اُمتِ مرحوم ہو

کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں
تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو

نہرو و گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر
پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو

کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو

ہم مسلماں ہیں جو ہیں اوجِ سعادت کے ہما
آئیں اُس کے سایہ میں ہم کس طرح جو بوم ہو

تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہی رجعت پسند — تم کہاں کے ہٹلرِ وقت اے مرے مخدوم ہو

کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجماں — اور غلامی کفر کی اسلام کا مفہوم ہو

کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکائیں — کیا قیامت ہے کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہو

اے خدا راہِ ہدایت اُس مسلماں کو دکھا — غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

وقت آپہنچا کہ ہو اسلام کا جھنڈا بلند — اور یہ نظمِ زندگی بارِ دگر منظوم ہو

وقت آپہنچا کہ "یا گاندھی" پکارے کانگرس — نعرہ مسلم لیگ کا "یا حیّ یا قیّوم" ہو

وقت آپہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف
اور ہمارے نام کی ہندوستاں میں دھوم ہو

کرت پور (یو-پی)

۲۳-اکتوبر ۱۹۳۷ء

دستِ زر افشاں اور جیبِ زر کشاں

نئے تیر اب کہاں سے لائے گی احرار کی ٹولی
کہ خالی ہو چکا ان قادر اندازوں کا ترکش ہے
ہے گاندھی جی سے ان کا رشتہ اور یہ رشتہ ہے زریں
کہ ہاتھ اُن کا زر افشاں ہے تو جیب ان کی بھی زرکش ہے
کسی دن سرنگوں دیکھیں گے اس کو دیکھنے والے
سوادِ اعظمِ امت سے جو بدبخت سرکش ہے

لاہور - ۱۲ - دسمبر ۱۹۳۷ء

کانگریسی دولھا اور احراری دلہن

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی انتخابی آویزشوں میں مجلس احرار پوری سرگرمی سے کانگریس کا پروپیگنڈا کرتی رہی۔ بعض موقعوں پر اس مجلس کی سرگرمیوں کی نوعیت بہت ہی صبر آزما ہو جاتی تھی۔ اشعار ذیل ایسے ہی ایک موقع پر بر سبیل اضطرار زبان سے نکل گئے:-

بادا تھے مسلمان تو بیٹے تھے مجوسی — پوتے جو ہیں احرار وہ کہلائے فلوسی
مل جائے جہاں چندہ وہی ہے وطن ان کا — ہندی ہیں نہ مصری ہیں نہ چینی ہیں نہ روسی
جو بوند مرے خوں کی مہاجن سے بچی تھی — پنجاب کے احرارِ ستم پیشہ نے چوسی
نہرو جو ہے دولھا تو دلہن مجلسِ احرار — ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی

حقّہ نے بنایا مجھے دو کش میں محقق
اور فلسفہ چھانٹا کئے دوانی و طوسی

امروہہ۔ ۳۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

بلند شہر کا انتخابی معرکہ

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں بلند شہر کی نشست پر کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی مقابلہ تھا۔ مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت میں مجھے اس نواح کے دورہ کا اتفاق ہوا۔ جب میں کمال پور۔ اکبر پور اور گلاوٹی کے جلسوں میں تقریریں کرنے کے بعد بلند شہر پہنچا تو یہاں بھی ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ یہاں سے مسلم لیگ کے امیدوار کو نوے فی صدی ووٹ ملنے کی توقع تھی۔ مجھ سے پہلے مولٰنا عنایت اللہ فرنگی محلی اپنی تقریر میں بتا چکے تھے کہ بلند شہر کو سالار مسعود غازی نے آباد کیا تھا۔ اس لئے میری تقریر اس منظوم تمہید سے شروع ہوئی:-

ملت کی آبرو کا نشاں ہے بلند شہر — ہر اس کے ذرہ ذرہ سے پیدا حیاتِ دہر
کشتی ڈبوئی کفر کی جس نے ہزار بار — ہر اس کی بوند بوند اسی دریا کی ایک لہر

خاصیتوں میں اس کی ازل سے تضاد ہے
اپنوں کے حق میں قند ہے غیروں کے حق میں زہر

بلند شہر کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر میں اپنے رفقا کے ساتھ سرشام دھان پور

پہنچا۔ سفر کی کوفت نے بہت تھکا دیا تھا۔ دیر سے حقہ بھی نہ پیا تھا اِس لئے تکان اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ میزبان نے جلد جلد چاء تیار کرائی۔ چاء آئی اور ساتھ ہی حقہ بھی آیا۔ یاروں نے فرمائش کی کہ اس پر کچھ اشعار ہو جائیں۔ مَیں نے چاء کا ایک گھونٹ پی کر۔ اور حقہ کا ایک کش لگا کر یوں امتثال امر کیا:۔

زندگانی کے لطف، وہی تو ہیں صبح کی چاء۔ شام کا حُقّہ
اُس کو کہتے ہیں سلسبیل کی موج اِس کو لکھتے ہیں نُور کا بُقّہ

اس کے بعد بعض اربابِ ذوق نے یہ بے ڈھب فرمائش کی کہ اس زمین میں احرار کے متعلق بھی کچھ ہو جائے۔ غالباً اُنہوں نے یہ سمجھا کہ اب اس زمین میں کوئی قافیہ نہیں رہا۔ اور مجھے بھی اُسی طرح زچ کر دیا جائے گا جس طرح سعدی شیرازی کو ایک قافیہ پیمائی کی محفل میں اس فرمایش سے زک دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ

غنچہ دہانِ من بیا تنگدلی من ببیں!

پر تنگ دلی کے قافیہ کی قید کے ساتھ ایک مصرع لگا دیا جائے۔ اربابِ سخن کو معلوم ہے کہ سعدی کی حاضر جوابی نے یہ کوشش معاً یہ کہہ کر اکارت کر دی تھی کہ

بے تو ہنوز زندہ ام سنگدلی من ببیں

اس ادبی نوک جھونک کو پیش نظر رکھتے ہوئے مَیں نے بطور اظہارِ عجز عرض کیا کہ معاملہ چاء اور حقہ کا ہے اس میں احرار کا کیا دخل۔ اس پر ایک صاحب بولے کہ جب سے مسجد شہید گنج کی تحریک شروع ہوئی ہے احرار نے حقہ پینا بالکل چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُن کے دوست سکھ جس طرح مسجد شہید گنج کا نام سُن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اُسی طرح وہ بھی حُقّہ کا نام آتے ہی چراغ

یا ہو جاتے ہیں ۔غالباً اسی وجہ سے چودھری افضل حق نے جو احراری ٹولی کے نفسِ ناطقہ ہیں پچھلے دنوں حقہ کی مخالفت میں ہنگامہ انگیز مضامین لکھے تھے ۔ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ احرار کے متعلق ایک شعر ضرور ہونا چاہیئے ۔کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں او کما قال ۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے غصہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں ۔اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی:۔

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ

دھان پور میں ایک اور لطیفہ ہوا ۔ابھی چائے پینے سے فراغت نہ ملی تھی کہ مولانا شوکت علی کو جو اس دورہ میں میرے رفیق طریق تھے پیشاب کی حاجت ہوئی ۔جب وہ ادب خانہ سے مست ہاتھی کی طرح جھومتے جھامتے نکلے تو یارانِ سر پل نے کہا کچھ اس پر بھی ۔میں نے فی البدیہہ یہ قطعہ عرض کیا:۔

دھان پور آئے جناب حضرت شوکت علی
ہاتھ رکھے قبضۂ شمشیر جوہر دار پر

اس سے وہ شمشیر مراد ہے جو مولانا شوکت علی کو اپنے برادر مرحوم رئیس الاحرار محمد علی جوہر سے ترکہ میں ملی تھی ۔

مَیں نے پوچھا کانگرس کے حق میں کیا کہتے ہیں آپ
ہنس کے بولے کانگرس کو مارتا ہوں دھار پر

دھار سے کچھ اور نہ سمجھ لیجئے گا۔ اس سے یہاں تلوار کی دھار مراد ہے۔

اورنگ آباد بلند شہر کی تحصیل کا ایک پُررونق قصبہ ہے۔ مَیں سید عبد العزیز صاحب کے دولتکدہ پر ٹھہرا ہُوا تھا جو علاقہ کے ممتاز رئیس اور مسلم لیگ کے پُرجوش حامی ہیں۔ مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ علی گڑھ، میرٹھ اور بلند شہر کے نوجوان بھی آئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کہا ہم آپ کی بدیہہ گوئی کا شہرہ مدت سے سُنتے آئے ہیں۔ جب جانیں کہ آپ ایک منٹ کے اندر اندر کچھ کہہ دیں۔ مَیں نے اس فرمائش میں پڑنے سے پہلو بچانا چاہا۔ مگر وہ نہ مانے۔ آخر ذرا سے تامل کے بعد مَیں نے اُن کی فرمائش یوں پوری کی:۔

رحمت اللہ کی ہے قصبۂ اورنگ آباد — کیوں نہ توحید کے فرزند یہاں ہوں آزاد
ان کے پیشِ نظر اسلام کی آزادی ہے — رکھے اللہ انہیں تا بہ قیامت آباد

مولانا شوکت علی کے ساتھ مَیں انوپ شہر سے بلند شہر واپس جا رہا تھا۔ مولانا کے موٹر پر مسلم لیگ کا سبز جھنڈا لہرا رہا تھا۔ رستہ میں سرحد کے کچھ گاندھوی سرخ پوش اور چند احراری رضا کار نظر آئے جو کانگرس کے امیدوار کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے بلائے گئے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ اس موقع پر کوئی شعر ضرور ہونا چاہیئے۔ مَیں نے فارسی کے ایک مشہور شعر میں تھوڑا سا تصرف کر کے برجستہ کہا:۔

سُرخ پوشے بہ سرِ راہ نظر می آید — دولت گر ہوشش ہست بزر می آید

اس پر ایک رفیق سفر بولے کہ لیگ کے رضا کاروں کے باب میں کیا ارشاد ہے

مَیں نے معاً کہا ؎

سبز پوشے بلب بام نظر می آید   نہ بزور و نہ بہ زاری نہ بہ زر می آید

انتخابی تگ و دو کے سلسلہ میں ایک موقع پر مولانا شوکت علی   مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی مولانا جمال میاں فرنگی محلی اور چودھری خلیق الزماں کے ساتھ مَیں نواب صاحب چھتاری کی کوٹھی پر قیام پذیر تھا۔ چودھری صاحب کو رات بہت دیر تک جاگنا پڑا۔ اس لئے صبح اُٹھنے میں دیر ہوگئی جب چائے پینے کے لئے آئے تو اس شان کے ساتھ کہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتے جاتے تھے۔ مولانا شوکت علی نے کہا کہ خلیق الزماں پر کوئی پھڑکتا ہوا شعر ضرور ہو جائے۔ مَیں نے کہا بہت خوب سُنئیے:-

بخشی گئی ہے دولتِ کون و مکاں مجھے   نہرو انہیں ملا تو خلیق الزماں مجھے

مولانا شوکت علی اس شعر کو سُن کر وجد میں آ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ایک اور۔

مَیں نے کہا دوسرا شعر بھی حاضر ہے سُنئیے اور سر دُھنئیے:-

دو دو جوانیاں مرے حصّہ میں آئی ہیں
بخشا خدا نے دولتِ بختِ جواں مجھے

بلند شہر - ۲۲ - دسمبر ۱۹۳۶ء

احرار اور مسجد شہید گنج

نرالی وضع کا مومن ہے طبقۂ احرار
کہ سر جھکا ہوا مشرک کے آستاں پر ہے

اس آرزو میں کہ نہرو کسی طرح خوش ہو
نگاہِ خشم سکندر حیات خاں پر ہے

خدا کے گھر کی تباہی میں حصّہ دار ہوئے
یہ ظلم اُنھوں نے کیا آپ اپنی جاں پر ہے

اشارہ پاکے اُدھر سے شہید گنج کا شور
کئی دنوں سے ان اشرار کی زباں پر ہے

سُنا کیا جو کئی سال دیر کا ناقوس
لگا ہوا وہی کان آج کل اذاں پر ہے

ہمارے قتل کا محضر ہے اُن کے دفتر میں
ہمارے خون کا داغ اُن کی طیلساں پر ہے

وہ برق جس نے جلایا ہمارے خرمن کو
گرائی جانے کو اب اُن کے آشیاں پر ہے

لاہور - ۲۳ - دسمبر ۱۹۳۶ء

امرتسر کی انتخابی جنگ

اسلام کا ٹکٹ

ہے لیگ[1] کا اُدھر، اِدھر اسلام کا ٹکٹ
وہ نام کا ٹکٹ ہے یہ ہے کام کا ٹکٹ

احرار ہوں کہ کانگریسی ہوں سب ایک ہیں
دونوں کے دونوں لے کے چلے رام کا ٹکٹ

احرار کٹ کے نور سے ظلمت میں جا ملے
وہ صبح کا ٹکٹ تھا یہ ہے شام کا ٹکٹ

الہام کا ٹکٹ ہمیں کعبہ سے مل گیا!
وہ لائے سومنات سے اوہام کا ٹکٹ

میرا ٹکٹ مجھے مرے اللہ نے دیا
اُن کو اگر ملا بھی تو اصنام کا ٹکٹ

آزادیٔ وطن اُنہیں ہوگی کہاں نصیب
جن کو ملا ہو گردشِ ایام کا ٹکٹ

اسلام کے ٹکٹ کا اُڑائیں گے جو مذاق
دوزخ کو لے کے جائیں گے بے دام کا ٹکٹ

[1] یہاں مسلم لیگ سے مراد پنجاب مسلم پارلیمنٹری بورڈ ہے جس نے مسلم لیگ سے بغاوت کر کے مسلم لیگ کے نمائندہ کو لیگ کا ٹکٹ نہیں دیا اور میں نے تقاضائے انتخاب کے لئے پروپیگنڈا کے طور پر اُسے اسلام کا ٹکٹ دے دیا جس نے اُسے کامیاب کرا کر چھوڑا۔

ہندو دولھا اور مسلمان دُلہن

مسلماں ہو کے شنکر لال کے بیٹے کے گھر آئی دیا ایثر کی ہے عبّاس طیب جی کی پوتی پر

مسلماں کا پٹا تہمد نہ کچھ بھی اُس کے کام آیا نچھاور ہو گئی شرع نبیؐ زرتار دھوتی پر

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینہ کے

کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر

۸ جولائی ۱۹۳۸ء

کانگرسی علما

کیا پوچھتے ہو ہند میں دینِ ہدیٰ کا حال
ویراں ہے خانقاہ تو مسجد ہے پائمال

خود عالمانِ دیں بھی پھنسے اُس کے جال میں
جس کا نہیں ہے توڑ وہ ہے کانگرس کی چال

یہ سچ ہے حق پرست بھی کچھ ان میں ہیں مگر
آتے بھی ہیں نظر جو وہ ہم کو تو خال خال

کافر بھی مومنوں کے اولی الامر بن گئے
کل تک جو تھا حرام ہوا آج سے حلال

لذت تھی جن کے خوان کی عجل حنیذ سے
ہے آج کل پسند انہیں کیوٹی کی دال

چھوڑا جہاد کو اور اہنسا کیا قبول
جو شیر تھے پہننے لگے لومڑی کی کھال

اسلام کے چمن میں صنم صد ہزار کے
پھرتے ہیں پات پات پھدکتے ہیں ڈال ڈال

قرآں کے ترجمان ہیں کیوں بت کی طرح چپ
حالانکہ ہے مدینہ کے ناموس کا سوال

کیا انقلاب ہے کہ اساطینِ شرع کو
دم مارنے کی گاندھی کے آگے نہیں مجال

کچھ جانتے بھی ہو کہ ہیں کیوں آج ہم ذلیل
ہم پر ہمارے ان علما کا پڑا وبال

ہاں اے خدا بچا ہمیں ان کی گرفت سے
اور بھیج دے یہاں بھی کوئی مصطفےٰ کمال

دھلی ۱۳۔ نومبر ۱۹۳۸ء

بے مہار اُونٹ

میں نے کل پوچھا یہ صدرِ مجلسِ احرار سے
بندہ پرور آپ کیوں ہیں خاکساروں کے خلاف

گر عقائد کی بنا پر آپ کی ہو اُن سے جنگ
کیوں نہیں ہیں آپ پھر زنّاروں کے خلاف

چار مشرک ہیں پٹیل و گاندھی و نہرو و بوس
کاش ہوتی آپ کی یلغار چاروں کے خلاف

ہنس کے فرمانے لگے ارشادِ عالی ہے بجا
ہو تو جائیں ہم بھی ان مُردار خواروں کے خلاف

چل رہے ہیں ان کے چندوں پر مگر احرارِ ہند
پھر ہوں کیوں وہ اپنے ان فیروزگاروں کے خلاف

کانگریس نے پال رکھے ہیں مدینہ کے کچھ اُونٹ
عالمِ اسلام ہے ان بے مہاروں کے خلاف

ایبٹ آباد - ۱۲ - جولائی ۱۹۳۹ء